ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری
سابق چیئرمین شعبہ سیاسیات
وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی

پنجاب میں اردو اور پنجابی زبان کا اتہاس

THE STORY OF URDU AND PUNJABI LANGUAGE IN PUNJAB

Abstract

Urdu is declared as official language in place of Persian Language during British Raj in Punjab. After 58 Years of implementation of Urdu,Vice Chancellor of Punjab University Dr. P.C Chester Ji proposed to consider Punjabi instead of Urdu as medium of instruction. This suggestion was strongly opposed by Punjabi scholars like Allama Iqbal. Munshi Mehboob Alam and Munshi Sirajuddin etc and declared Urdu as modernized version of Punjabi. Muslim scholars were doubted of the excessive addition of Sanskrit words instead of Arabian and Persian to make Punjabi a literary language like Bengali and they were afraid of Panjabi losing its Islamic identity. Muslims were not even accepting Nagri and Gurmukhi Scripts. Hafiz Mehmood Sherani proved by writing a book "Urdu in Punjab" in 1928 that Urdu is born in Punjab and Punjabi is its founder language but now national research is emerged against this idea. The three scripts were a big hurdle in implementing Punjabi language. Muslims wanted Persian. Hindus wanted Nagri whereas Sikhs wanted Gurmukhi Script. This was not acceptable for the Government. That is why Government did not acknowledge this issue again.

پنجاب میں سکھ راج کے خاتمے(1849ء) تک فارسی بطور دفتری زبان رائج تھی۔(1) انگریزوں کے آنے کے بعد درخواستیں اور مسلیں اردو میں منتقل ہونا شروع ہوئیں۔ اپریل 1851ء میں ''پنجاب انتظامی بورڈ'' نے ایک حکم نامہ جاری کیا۔ جس کی رُو سے صوبے کی تمام عدالتوں میں اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔(2) 10فروری 1863ء کو حکومت پنجاب نے فیصلہ کیا کہ اردو ہی پنجاب کی سرکاری زبان رہے گی۔ اگر پشاور اور کوہاٹ اضلاع میں کسی قسم کی مشکل پیش آتی ہے تو وہاں بھی پشتو کو عدالتی زبان کی حیثیت سے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔(3) واضح رہے کہ تعلیمی کمیٹی کے صدر لارڈ میکالے

پہلے ہی 7مارچ 1835ء کو گورنر جنرل ولیم بینٹنگ (William Bentinck) سے دستخط کرواکر یہ اعلان کرچکے تھے کہ نچلی سطح پر ہندوستان کی علاقائی زبانیں اوراعلیٰ سطح پر انگریزی ذریعہ تعلیم ہوگی۔کچھ عرصے بعد گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ(Lord Auckland) کے زمانے میں 20نومبر 1837ء کوایک ایکٹ پاس کیا گیا تھا کہ عدالتوں اور سرکاری دفتروں میں فارسی کے بجائے ہندوستانی زبانوں میں کام ہوگا۔اس طرح تعلیم اور انتظامیہ میں فارسی کی جگہ اُردو نے لے لی۔

فورٹ ولیم کالج کلکتہ (1800-54ء) کے قیام سے قبل ہندی اور اُردو ایک ہی زبان کے دو نام تھے۔ یہ دونوں زبانیں شمالی ہند کی مختلف بولیوں کی آمیزش سے بنی ہیں۔ہندی اور اُردو میں بہت کچھ مشترک ہے کم ازکم اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ دونوں زبانوں کے قواعد ایک ہی جیسے ہیں۔(5) مسٹر بیمس (Beames) جو ایک مشہور ہندوستانی گرامر کے مصنف ہیں لکھتے ہیں کہ ہندی کا جنم ملک کے قدیم دارالحکومت دہلی کے نواحی علاقے میں ہوا۔اس زبان میں بھی فارسی عربی حتیٰ کہ ترکی الفاظ کی بہت بڑی تعداد اسی طرح شامل ہوگئی جیسے کہ کئی لاطینی اور یونانی الفاظ انگریزی میں گھل مل گئے ہیں۔ لیکن ان نئے الفاظ نے زبان کے ڈھانچے کو کسی طرح متاثر نہیں کیا۔ چنانچہ یہ زبان ولیؔ اور سوداؔ کے تحریر کردہ صفحات میں بھی اتنی ہی خالص تھی جتنی کہ تلسی داس اور بہاری لعل کے صفحات میں ، چنانچہ اُردو اور ہندی کو دو مختلف زبانیں قرار دینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لوگ اس معاملے میں اور جملہ علم اللسان کے بارے میں شدید قسم کے مغالطے کا شکار ہوئے۔(6) فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گلکرائسٹ نے للو لال کوی سے پریم ساگر لکھوا کر ہندی (بخط ناگری) کے نام سے ایک الگ زبان کی بنیاد رکھی۔ پریم ساگر بھگوت گیتا کے ایک حصے کا ترجمہ ہے جس کا پہلا ایڈیشن 1803ء میں شائع ہوا۔(7)

اُردو زبان و ادب کی علاقائی حدبندی کا باقاعدہ آغاز 1923ء میں نصیرالدین ہاشمی کی کتاب ''دکن میں اُردو'' شائع ہونے سے ہوا۔ حافظ محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اردو''اس کے پانچ سال بعد 1928ء میں شائع ہوئی۔ان دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد اس طرز مطالعہ کا احساس اتنا بڑھ گیا کہ برصغیر کا شاید ہی کوئی ایسا علاقہ بچا ہو جس کی اُردو خدمات کا جائزہ نہ لیا گیا ہو۔ ہر علاقے کے محققین نے وہاں کے قدیم اُردو ادب کو بڑی محنت اور جانفشانی سے ادبی دنیا کے سامنے پیش کیا۔اس ضمن میں مدراس میں اُردو، میسور میں اُردو، بہار میں اُردو، بھوپال میں اُردو، سندھ میں اُردو، بلوچستان میں اُردو اور کشمیر میں اُردو کے عنوان سے قابل ذکر کتابیں شائع ہوئیں۔قدیم اُردو زبان وادب کا معتدبہ سرمایہ منظر عام پر آنے سے جہاں محققین کو اُردو زبان کی لسانی ہمہ گیری کا احساس ہوا۔ وہاں بعض ادبی و لسانی جھگڑے بھی

پیدا ہوئے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ''پنجاب کی اردو خدمات'' کے حوالے سے اہلِ زبان اور پنجاب کے مصنفین کے مابین لسانی وادبی تکرار شروع ہو گیا تھا دہلی اور لکھنؤ کے مصنفین نے پنجاب کی ان خدمات کو تسلیم کیا جو اہلِ زبان مصنفین نے پنجاب میں سرانجام دیں یعنی مولانا محمد حسین آزاد (1830ء-1910ء) اور مولانا الطاف حسین حالی (1837ء-1914ء) کی لاہور آمد کے بعد۔ انہوں نے پنجاب کی قدیم اُردو خدمات سے صاف انکار کیا۔ اس لئے پنجاب کے مصنفین کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ پنجاب کی اُردو خدمات کو تلاش و جستجو سے سامنے لائیں اور ٹھوس دلائل سے فریق ثانی کے انکار کو اقرار میں تبدیل کر دیں۔(8)

ان ہی ایام میں پنجاب میں اُردو کے خلاف ایک اور محاذ کھلا۔ 1907ء میں سکھوں نے خالصہ ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اس کانفرنس کی تشکیل کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ پنجاب میں اُردو کے بجائے پنجابی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔ 22 دسمبر 1908ء کو پنجاب یونیورسٹی لاہور کے بنگالی وائس چانسلر ڈاکٹر پرتول چندر چیٹر جی نے جلسہ کانووکیشن کے موقع پر اپنے ایڈریس میں پنجاب میں اُردو کی بجائے پنجابی کو ذریعہ تعلیم بنانے کی تجویز پیش کی۔(9) کچھ دن بعد امرتسر میں ہندو مہاسبھا کے مدرسہ کا افتتاح کرتے ہوئے پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر لوئس ولیم ڈین (Louis William Dane) نے سر چیٹر جی کی تجویز کی پرزور حمایت کر دی اور اسے تعلیم کے فروغ کے لئے ضروری قرار دیا۔ اس سے وائس چانسلر کے ساتھ ساتھ گورنر پنجاب بھی تنقید کی زد میں آ گئے۔ محبوب عالم (ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور) اور ان کے ساتھیوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ پنجابی اُردو کا پرانا روپ ہے اور اُردو پنجابی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس لئے اُردو کو چھوڑ کر پنجابی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے پیچھے مسلمانوں کیخلاف سازش کارفرما ہے۔ سازش کی نوعیت کو بے نقاب کرتے ہوئے مسلمان دانشوروں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ پہلے بنگالی کی طرح پنجابی کو علمی زبان بنانے کیلئے اس میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار کر دی جائے گی اور پھر فارسی رسم الخط کو گورمکھی یا ناگری میں بدل دیا جائے گا۔ چنانچہ پنجابی اپنے عربی فارسی ذخیرہ الفاظ سے محروم ہو کر اپنی اس اسلامی شناخت کو کھو دے گی جو صوفیائے کرام نے اسے عطا کر رکھی ہے۔ زبان کے ساتھ ساتھ پنجابی مسلمان رفتہ رفتہ اپنے تہذیبی سرچشموں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔(10) 6 مارچ 1909ء کے پیسہ اخبار کے اداریہ میں یہ مؤقف اختیار کیا گیا کہ حکومت نے پنجاب میں ناگری (ہندی) کا ٹٹو چلتا نہ دیکھ کر پنجابی گورمکھی لپّی کی آڑ میں اُردو کے خلاف مورچہ قائم کر دیا ہے۔ وہ پنجاب میں اُردو کی ترقی ہرگز پسند نہیں کرتے۔ سر چیٹر جی کی تقریر سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے گئے: (i) پنجاب کے لوگوں کی مادری زبان

صرف پنجابی ہے (ii) اُردو ایک بیرونی زبان ہے جو پنجاب میں برطانوی حکومت کے سہارے مروج ہوئی ہے۔ (iii) کوئی شخص غیر زبان یعنی اُردو میں فضیلت حاصل نہیں کر سکتا۔ اُردو کی بجائے پنجابی کو فروغِ تعلیم کا ذریعہ بنانے کے حق میں دیئے گئے تمام دلائل غلط، کمزور اور بیہودہ ہیں۔(11)

انجمن ترقی اُردو کے امرتسر کے اجلاس میں وائس چانسلر کی تجویز کے خلاف بہت سی تقاریر ہوئیں۔ مقررین میں علامہ محمد اقبال، سید علی امام، منشی محبوب عالم اور منشی سراج الدین پیش پیش تھے۔(12) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا اجلاس امرتسر (1908ء) میں بلایا گیا۔ اس اجلاس کی صدارت نواب سلیم اللہ (نواب آف ڈھاکہ) نے کی۔ مسلمانان ہند کے اس زبردست تعلیمی اجتماع میں دو قرار دادیں منظور کی گئیں جو درج ذیل ہیں:(13) قرارداد نمبر : Iاس کانفرنس کی رائے میں اُردو پنجاب میں تعلیمی اغراض کے لئے بالعموم اور ابتدائی تعلیم کے لئے بالخصوص نہایت ضروری ہے اس قرارداد کے محرک پنجاب کے نہایت ہی محترم بزرگ شیخ عبدالقادر (لاہور) تھے اور تائید کرنے والے گرلز کالج علی گڑھ کے بانی شیخ عبداللہ کشمیری (14) تھے۔ قرارداد نمبر : IIیہ کانفرنس ڈاکٹر پی۔ سی چیٹرجی (CIE) کی اس تجویز سے، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ صوبے میں اُردو کے بجائے پنجابی کو رواج دیا جائے اختلاف کرتی ہے اور تجویز کو بلحاظ لغات واختلاف محاورہ ناممکن العمل اور صوبے کے حق میں مضر سمجھتی ہے۔اس قرارداد کے محرک سر میاں محمد شفیع (لاہور) اور موید سر سید علی امام بیرسٹر (بہار) تھے۔

اسی مباحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ایس۔ ایم ناظر نے اپنے ایک مضمون بعنوان ''اُردو پنجابی'' میں لکھا کہ اُردو دراصل منجھی ہوئی پنجابی زبان ہے۔اس کے افعال عموماً پنجابی ہیں۔ مگر تھوڑی سی نفیس تبدیلی کے ساتھ استعمال میں لائے گئے ہیں۔(15) وجاہت حسین جھنجھانوی نے ''بزم اردو لاہور'' کے ایک جلسے منعقدہ 29 مئی 1910ء میں ایک مضمون ''اُردو کا مرکز'' پڑھا جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ اُردو کا منبع دہلی، آگرہ اور اودھ نہیں بلکہ پنجاب ہے۔(16) وجاہت حسین کے مضمون کے جواب میں بشیر الدین احمد دہلوی (خلف ڈپٹی نذیر احمد دہلوی) نے متذکرہ نظریات کی مکمل طور پر تردید کی۔(17) اسی طرح ایک مضمون میں مولوی سید احمد دہلوی نے 1911ء میں ''محاکمہ مرکز اُردو'' لکھا۔ جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ اُردو کا مرکز پنجاب نہیں بلکہ دہلی ہے۔(18) خان بہادر مرزا سلطان احمد نے ''زبان اُردو'' میں لکھا کہ پنجابی اور اُردو زبان میں جو وابستگی اور مشابہت ہے یہ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں نہیں ہے۔ مقابلہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اُردو زبان پنجابی زبان کی اصلاح یافتہ زبان ہے یا پنجابی زبان کا ایک دوسرا اصلاح یافتہ رُخ۔(19) شیر علی سرخوش نے ''اُردو اور اہل زبان'' کے عنوان سے

ایک مضمون لکھااور سخت زبان میں سیداحمد دہلوی کے اعتراضات کا جواب دیا۔ مضمون کے دو اقتباسات درج ذیل ہیں:

''ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اُردو یا ہندوستانی یا جو کچھ اس کا نام رکھو، پنجاب میں پیدا ہوئی اور پنجابی اس کی بانی ہے۔''...... ''اردو کا مولد پنجاب ہے نہ کہ شاہجہاں آباد''(20)

تاہم اپنے اس نظریئے کو ثابت کرنے کیلئے شیر علی سرخوش کے پاس محکم دلائل نہ تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حافظ محمود شیرانی(21)اپنی کچھ ذاتی مشکلات کی وجہ سے 1922ء میں اپنا آبائی وطن ٹونک (راجستھان) چھوڑ کر لاہور چلے آئے۔ انہوں نے سرخوش کے نقطۂ نظر کی وکالت کرتے ہوئے 1928ء میں ''پنجاب میں اُردو'' نامی کتاب مکمل کی۔ بقول صوفی غلام مصطفی تبسم اہل پنجاب نے اس کتاب کی اشاعت کا انتظام چندہ جمع کرکے کیا۔ اس کتاب کی اشاعت نے بیس برسوں پر محیط بحث کی کسی حد تک تکمیل کردی لیکن اب اس نظریئے کی تغلیط کیلئے قوی تحقیق سامنے آچکی ہے۔ قلزم کو کوزے میں بند کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ آریائوں کی آمد(1500ق م) سے پہلے پنجاب میں منڈاری اور دراوڑی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ آریائوں کی مذہبی کتابوں (ویدوں) کی زبان ویدک سنسکرت اور عوام کی زبان لوک سنسکرت کہلائی۔ لوک سنسکرت نے بدھ مت کے زمانے (563ق م 483-ق م) میں پالی زبان(22)کا روپ دھارا جو صدیوں کا سفر طے کرکے پشاچی پراکرات اور پشاچی اَپ بھرنش سے ہوتے ہوئے فارسی اور عربی کی آمیزش کے ساتھ ہندوی اور پنجابی کے روپ میں ہمارے سامنے آئی۔ قریبی علاقے دوآبہ گنگ وجمن کے علاقے (دہلی اور آگرہ کے اطراف) میں شورشینی پراکرات اور شورسینی اَپ بھرنش سے کھڑی بولی ہندی اور کھڑی بولی اُردو نے جنم لیا۔(23)

حافظ محمود شیرانی نے لکھا تھا کہ اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے اور مسلمان چونکہ پنجاب سے ہجرت کرکے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔(24) دراصل شیرانی کے اس نظریے کی بنیاد بدیسی دانشور گرام بیلی کی اُس گپ پر ہے، جس میں اس نے کہا تھا کہ اُردو کی پیدائش 1027ء کی ہے جب غزنوی فوج کے سپاہیوں نے لاہور میں قیام کرنا شروع کیا۔ اس کی جائے پیدائش لاہور اور قدیم کھڑی بولی اس کی سوتیلی ماں ہے۔ برج بھاشا سے اس کا کوئی براہ راست رشتہ نہیں۔ زبان کا نام اُردو سات سو سال بعد میں ظہور پذیر ہوا۔(25) یہ تحقیق بھی اب منظر عام پر آچکی ہے کہ اُردو بطور اسم لسان کے معنی لشکر وغیرہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ نام ''اُردو معلیٰ شاہ جہاں آباد'' کا مخفف ہے۔ اَمر واقعہ یہ ہے کہ اُردو کیا ہندی، گجراتی، ریختہ،

دکنی کسی بھی زبان میں اُردو بہ معنی لشکر فوج کے استعمال کی کوئی مثال دستیاب نہیں (26) ڈاکٹر کے۔ ایس بیدی نے لکھاہے کہ اُردو زبان کی پیدائش کسی ایک ہستی، ایک فرد، کسی ایک قوم یا کسی ایک طاقت کی دین نہیں ہے بلکہ یہ زبان مختلف اقوام، مختلف تہذیبوں اور مختلف لسانیات کے اتصال و اختلاط کا ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے فطری طور پر اس کا ظہور ہوا... اردو کا جہاں پنجابی زبان کے ساتھ قریبی تعلق ہے ہندی کھڑی بولی کی بھی حقیقی بہن ہے۔ (27) ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں کہ اُردو ایسی زبان نہیں جسے مسلمان اپنے ساتھ عرب، ایران افغانستان یا ترکستان سے لائے ہوں نہ یہ ایسی زبان ہے جو یہاں پہلے سے موجود تھی اور مسلمانوں نے اپنی عربی فارسی یا ترکی چھوڑ کر اسے اختیار کیا ہو۔ بلکہ یہ ہندوئوں اور مسلمانوں کے میل ملاپ، آویزش و آمیزش اور ربط وارتباط کا نتیجہ ہے۔ (28)

اس مباحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برطانوی عہد میں ہندوستان میں اُردو کی حیثیت لنگوافرنیکا (Linguafranca) کی تھی۔ ناگری پرچارنی سبھا کے اثرات کے تحت فورٹ ولیم کالج نے ناگری لپیّ میں ہندی زبان کو رواج دے کر اُردو کی اہمیت کو کم کیا۔ یہ دراصل ہندو اکثریت کو خوش کرتے ہوئے ''پھوٹ ڈالو اور راج کرو'' کی حکمت عملی تھی۔ پنجاب میں اُردو کے نفاذ کے 58 سال بعد اردو کی جگہ پنجابی زبان کے نفاذ کی بات کی گئی وہ بھی ناگری یا گورمکھی لپیّ میں۔ اس سے پنجابی مسلمان ادیبوں، شاعروں، دانشوروں اور نمائندہ افراد کا مشتعل ہونا فطری بات تھی۔ اردو دفتر، درسی اور میڈیا کی زبان بن چکی تھی اور لوگوں کی کثیر تعداد کا روزگار اسی زبان سے وابستہ ہو چکا تھا۔

پنجابی زبان کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس زبان کی لپیاں تھیں۔ مسلمان صرف فارسی، سکھ گورمکھی اور ہندو ناگری لپی قبول کر سکتے تھے لیکن حکومت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اُردو کی جگہ تین رسم الخطی زبان کو رائج کرے۔ اس لئے حکومت نے پنجابی کے مسئلہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن اگر برطانوی حکومت انگریزی اور اُردو کے ساتھ پنجابی زبان کی ترقی و ترویج کے لئے کام کرتی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو پنجابیوں کے قومیتی شعور میں مفاد اور مذہب کے علاوہ زبان کا بھی ایک مقام ہوتا۔ قیام پاکستان کے بعد زبان کے معاملے میں ان کے خیالات بنگالیوں، سندھیوں اور دیگر قومیتوں سے مختلف نہ ہوتے بلکہ ہم آہنگ ہوتے۔ کسی ایک زبان یا اُردو کو مسلمانیت کا نشان قرار نہ دیا جاتا بلکہ زبانوں کی رنگارنگی اور تنوع کو اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی سمجھتے ہوئے سب زبانوں کا یکساں احترام کیا جاتا۔ (سورۃ روم: 22)

رسم الخط/لپّی/اکشّر

یہاں رسم الخط کے بارے میں چند جملے تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتاہے۔ للولال کوی کی کتاب پریم ساگر(1803ء)شائع ہونے کے بعد اُردو صرف ایک زبان ہی نہیں بلکہ ایک رسم الخط بھی ہے۔اگریہی زبان فارسی یاعربی رسم الخط میں لکھی جائے تواُردو کہلاتی ہےاوراگرناگری میں لکھی جائے تو ہندی سمجھی جاتی ہے۔اُردوخط بعینہ فارسی خط سے لیاگیاہےاور خود فارسی خط عربی خط کی نقل ہے۔فارسی خط زمانہ قدیم سے ہندی اصوات اور ہندی السنہ کے لئے استعمال کیاجارہاہے۔ ابتداء میں خط نسخ (عربی) نہ صرف اُردوبلکہ ہندوستان کی کئی دیگر زبانوں کے لئے بھی رائج تھا۔عالمگیر بادشاہ (حکمرانی:1659ء-1707ء)کے بعد شمالی ہند میں خطِ نستعلیق رائج ہوگیا۔خط نستعلیق خطِ نسخ (موجد:خواجہ عماد الدین)اور خطِ تعلیق (موجد:خواجہ تاج اصفہانی) کوملاکربنایاگیا۔عربی حروف تہجی میں فارسی کے چار حروف پ چ ژ اور گ نہ تھےاور عربی فارسی دونوں ابجدوں میں تین حروف ٹ ڈ اور ڑ کی آوازیں نہیں تھیں۔ناگری میں اِن نوحروف خ ذ ز ژ ض ظ ع غ ف کے اصوات سرے سے ہی نہ تھے۔اس لئے حکومت نے نستعلیق حروف کواختیار کرنے کافیصلہ کیااور پھر ہندوستانی زبانوں کے لئے کچھ نئے حروف بنائے ، جیسے بھ پھ تھ ٹھ چھ دھ ڈھ کھ گھ وغیرہ ان حروف سے اردو کے علاوہ پنجابی اور دیگر زبانوں کا تلفظ اچھی طرح اداہوسکتاہے لیکن واضح رہے کہ تلفظ کی باریکیوں کے حوالے سے دنیا کی کوئی ابجد کامل نہیں ہے۔ایک نہ ایک نقص ضرور رہ جاتاہے یاتوکل سادہ آوازوں کےاداکرنے کے لئے حروف نہیں ہوتے یاایک ہی آواز کے لئے کئی حروف ہوتے ہیں یہ نقص اُردو، ناگری اور گورمکھی سب میں پایاجاتاہے۔(29)

ہندوستان کا قدیم ترین رسم الخط براہمی ہے اس میں سنسکرت پالی، بنگالی، مراٹھی، گجراتی، تامل، تیلگو، سنہالی، کنڑی، سندھی اور دیگر زبانیں لکھی گئیں عربی، فارسی اور انگریزی حروف کو چھوڑ کر ہندوستان کے تمام حروف تہجی براہمی میں سے نکلے ہیں اس خط کی بنیاد سندھو خط((Indus Scriptپر ہے جو ابھی تک نہیں پڑھاجاسکا۔1500ق م میں آریائوں کی پہلی کتاب رگ وید براہمی خط میں لکھی گئی۔ سمے کے تبدیل کے ساتھ براہمی بدلتے بدلتے ناگری خط میں تبدیل ہوگیا۔ سام وید یجر وید اور اتھر وید کلاسیکل دیوناگری میں تحریر ہوئے(30)دیوناگری کودیوتائوں کی تحریراور سنسکرت کو دیوتائوں کی زبان کہاگیاہے شاردا خط بھی براہمی خط سے نکلاہے۔بدھ عالموں نے اشوک کے زمانے (273ق م238-ق م) میں کشمیر کی وادی نیلم میں شاردا(اب ضلع نیلم کی تحصیل)کے مقام پر قائم ادارہ ’’شاردا پیٹھ‘‘ میں بیٹھ کر ایجاد کیا۔پہاڑی زبان میں یہ لپّی ٹُنڈے منڈے کے نام سے بھی مشہور ہے۔کشمیری مہاجن اور

SCRIPTS OF NORTHERN INDIA

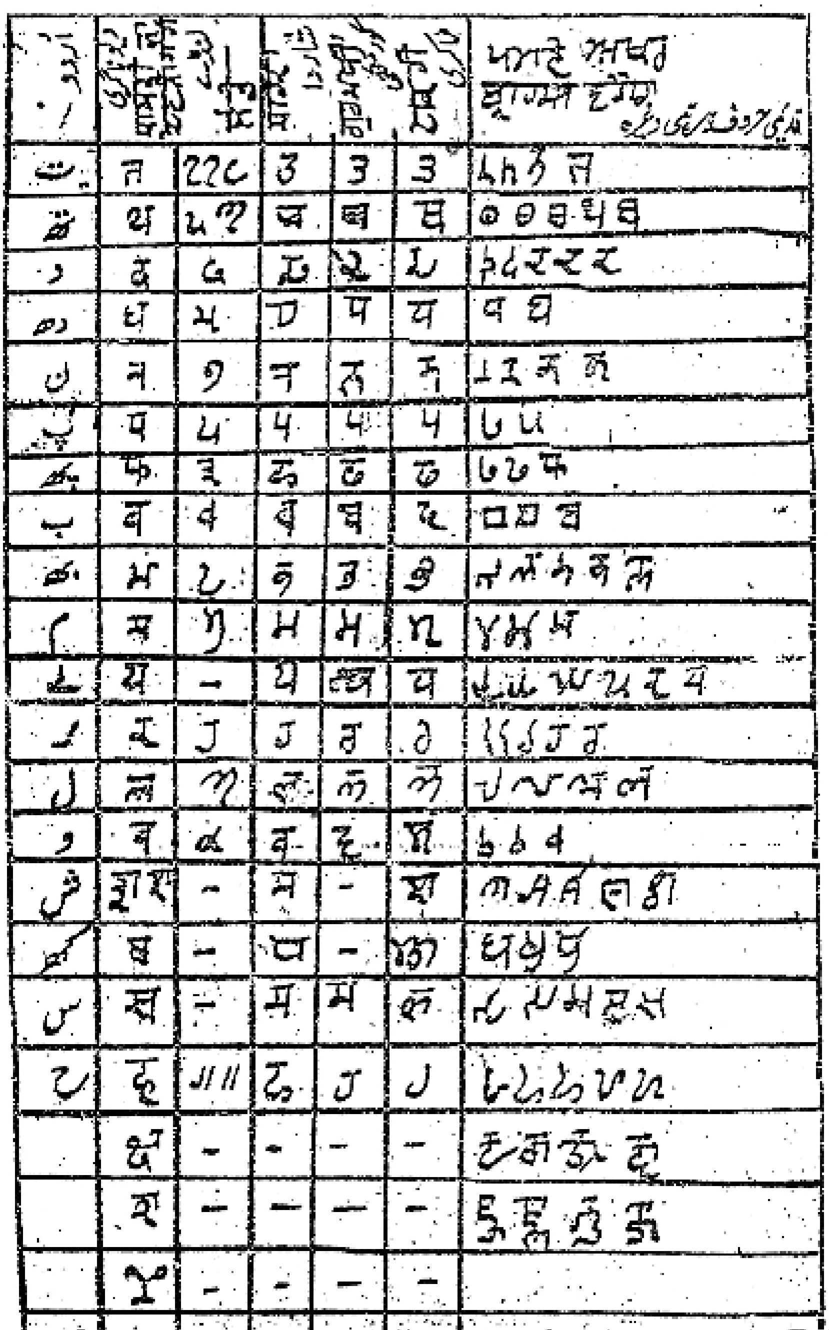

ساہوکار آج بھی اپنے بہی کھاتوں کا حساب اسی میں رکھتے ہیں۔ (31) یہ ٹاکری، لنڈے اور گورمکھی اَکشَر کے مشابہ ہے۔ ٹاکری یا ٹاکرے پہاڑی علاقوں کے حروف ہیں۔ جموں کے ڈوگری حروف ٹاکرے حروف سے بنے ہیں۔ لنڈے سے مراد دُم کٹے ہوئے، اِن حروف کو لنڈے اس لئے کہا گیا کہ ان کے اعراب یا علت نہیں ہیں۔ یہ میدانی علاقوں کے حروف ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ پہلے پہل پنجاب میں لنڈے حروف استعمال ہوتے تھے لیکن ان میں اعراب یا علت نہ ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے نہیں پڑھا جاتا تھا اس لئے دوسرے گورو، گورو انگد جی (1504ء-1552ء) نے جو کھنڈور صاحب ضلع ترن تارن کے رہنے والے تھے، گورمکھی لپّی بنائی۔ تاکہ گوربانی ٹھیک ٹھیک لکھی جائے اس کا نام گورمکھی لپّی اس لئے پڑا کہ اس میں گورو کے مکھ سے نکلی ہوئی بانی لکھی جاتی ہے۔ گورمکھی لپّی پہاڑوں کے ٹاکری اور میدانوں کے لنڈے حروف سے ماخوذ ہے (32) اور اس کے حروف تہجی 35 ہیں۔

انگریزی یا رومن حروف انگریزوں کے ساتھ ہندوستان میں آئے پہلے پہل انگریز مشنریوں نے جو کتابیں اپنے لئے لکھیں وہ رومن حروف میں تھیں۔ لال سا گرچند انسپکٹر اسکول راولپنڈی نے پنجابی زبان کے لئے رومن رسم الخط کی ایک تجویز تیار کی۔ اس تجویز کو سرگودھا کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ولسن نے 21 اپریل 1894ء کو راولپنڈی کے کمشنر مسٹر منٹگمری کو ارسال کرتے ہوئے لکھا کہ ''پنجابی طلبہ کو اُردو زبان عربی رسم الخط میں پڑھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے انگریز طلبہ کو فرانسیسی زبان عبرانی رسم الخط میں پڑھائی جائے انہوں نے کہا کہ اگرچہ انگلستان میں ایسا ہوتا رہا ہے لیکن وہ دورِ تاریک کی بات ہے۔'' یہی صورتحال یہاں ہے پچاس سال پہلے فارسی سرکاری زبان تھی اور دفتری اہلکاروں کو اس زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اب ہم نے اُردو کو سرکاری زبان بنایا ہے اور ہمارے اسکولوں میں اُردو کی تعلیم دی جاتی ہے اب ہمیں اس طرف آجانا چاہئے کہ عوام کو مادری زبان پنجابی میں تعلیم دی جائے اور اس کا رسم الخط رومن ہو۔ رومن رسم الخط کے حق میں دلائل دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ چونکہ پنجابی آریائی زبانوں کی ایک شاخ ہے اس لئے آریائی (رومن) رسم الخط کسی سامی (عربی) رسم الخط کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ اس میں زیادہ شوشوں اور اعراب کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ علاوہ ازیں رومن رسم الخط زیادہ صاف لکھا جاتا ہے اس کی طباعت آسان ہے یہ انگریزی کا رسم الخط بھی ہے جسے بالآخر اس ملک کی سرکاری زبان بننا ہے۔ بلاشبہ ناگری اور گورمکھی رسم الخط پنجابی کے لئے زیادہ موزوں ہیں لیکن پنجابی میں عربی، فارسی اور انگریزی الفاظ داخل ہو چکے ہیں جو ناگری اور گورمکھی لپّی میں اچھے انداز میں تحریر نہیں ہو سکتے۔ نیز

پنجابی مسلمان آبادی ان دونوں لپّیوں کو استعمال نہیں کرے گی اس لئے رومن رسم الخط زیادہ موزوں ہو گا۔ انہوں نے یہ بھی تجویز دی کہ رومن حروف پر نقاط اور نشانات لگا کر پنجابی کے اپنے ابجد بھی تیار کئے جا سکتے ہیں(33) لیکن حکومت نے ان تجاویز سے عدم اتفاق کرتے ہوئے پنجابی کے مسئلہ پر مزید غور کرنا چھوڑ دیا۔

حواشی وحوالہ جات

1. Chaudhary, Nazir Ahmed, Development of Urdu as Official Language in the Punjab 1849 - 1947, Government of Punjab, Lahore 1977. P II

پنجاب میں محمود غزنوی کے کے عہد)1021-30ء(میں دو خراسانی وزراء حسن بن مہمندی اور محمد عباس نے امور سلطنت سر نجام دینے کے لئے فارسی زبان رائج کی تھی۔

2. درانی، عطش ڈاکٹر، پنجاب میں اردو اور دفتری زبان، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد 1985ء، ص 47
3. ایضاً، ص 51
4. خلیق، انجم، ''پیش لفظ،، مشمولہ اردو: ہندی دانشوروں کی نظر میں (مرتبہ: ڈاکٹر سید حامد حسن)، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی 1983ء ص 17 ملکہ وکٹوریہ (حکمرانی: 1837ء1901-ء) قیصرہ ہند نے ہندوستان کی زبان سیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو آگرہ کے مولوی برکت اللہ انہیں اردو سکھانے کے لئے ہندوستان سے بھیجے گئے اور کسی کے خیال میں بھی نہ آیا کہ ملکہ معظمہ کو ناگری سیکھنی چاہئے تھی۔
5. خواجہ حسن نظامی کے بقول اردو اور ہندی زبان میں فرق صرف ان ہی لوگوں کو نظر آتا ہے جنہیں دونوں زبانوں میں سے کسی بھی زبان کے حسن کا شعور نہیں ہے کریوی، عظیم، ڈاکر، ہندی شاعری، الٰہ آباد 1931ء ص 10(یہ کتاب ناگری اور فارسی دونوں حروف میں ہے)
6. Beams, John, Comparative Grammar of the Modern Aryan Languages of India London 1872. P 32
7. خان، کرامت علی، محرکات تحریک پاکستان، غالب پبلشرز، لاہور 1995ء، ص 81 ناگری پرچارنی سبھا نے ناگری کی اشاعت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ البیرونی کی کتاب الہند، جیکالیٹ کی بائبل، مل کی لبرٹی اور کئی دوسری کتب اردو سے پہلے' ناگری میں شائع ہو گئی تھیں۔ سبھا کے مقابلے مین آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے 1903ء انجمن ترقی اردو (ہند) کی بنیاد رکھی۔ اس کے پہلے سیکریٹری مولانا شبلی نعمانی (1857ء1914-ء) مقرر ہوئے اور انجمن نے اردو کتابوں کی اشاعت کیا بیڑا اٹھایا۔
8. محمد اکرم چغتائی ''پنجاب میں اردو: مزید تحقیق،، مشمولہ پاکستان میں اردو، چوتھی جلد پنجاب (مرتبین پروفیسر فتح محمد ملک، سید سردار احمد پیرزادہ، تجمل شاہ) مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد 2006ء ص 94
9. Punjab University Calendar 1909-10 , PP-515-526 تقریر کے اردو ترجمے کے لئے ملاحظہ فرمایئے: روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور) 26، 25، 11، 3 اور 28 جنوری 1909ء
10. پروفیسر فتح محمد ملک، ''پنجاب کی مادری زبان اردو ہے،، مشمولہ پاکستان میں اردو، چوتھی جلد پنجاب، ص 2
11. روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور) 6 مارچ 1909ء

12. رسالہ فصیح الملک (لاہور) جنوری 1909ء ص ص 12-10
13. سید مصطفی علی بریلوی، ''پنجاب میں انگریزوں کی لسانی پالیسی مشمولہ، پاکستان میں اردو، چوتھی جلد پنجاب، ص 685امر تسر کے خان بہادر غلام صادق، خان بہادر خواجہ یوسف شاہ اور بابو نظام الدین وغیرہ منتظمین اور میز بان تھے۔اس اجلاس میں نواب بہادر سرفراز حسین رئیس پٹنہ، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اور عبدالمامون سہروردی بھی شریک ہوئے۔
14. شیخ عبداللہ (وفات 1965ء) کشمیر کے رہنے والے تھے علی گڑھ، سے ایل ایل بی کر کے وہاں وکالت کرنے لگے۔ ان کی شادی مرزا ابراہیم بیگ دہلوی (متوسط گھرانہ) کی دختر وحید جہاں سے ہوئی۔ ان کی صاحبزادی رسید جہاں نے 1906ء میں مسلمان لڑکیوں کے لئے برصغیر کا پہلا گرلز اسکول محلہ بالائے قلعہ علی گڑھ میں قائم کیا جو بعد میں گرلز کالج بن گیا۔ رشید جہاں کی شادی رام پور کے نواب خاندان میں ہوئی۔ ان کے شوہر کا نام محمود الظفر تھا۔ کشمیری سیاست دان شیخ محمد عبداللہ (1905-82ء) ایک دوسرے شخص تھے جنہوں نے جموں وکشمیر مسلم کانفرنس / نیشنل کانفرنس بنائی اور دو ٹرم مقبوضہ جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ رہے۔
15. پیسہ اخبار (لاہور)، 25مارچ 1909ء، ص 3
16. پیسہ اخبار (لاہور)، 1910ء، ص 4
17. پیسہ اخبار (لاہور) 11اگست 1910ء، ص 2
18. مطبوعہ دہلی سنہ ندارد ص ص 17تا26 (کل صفحات 47) بحوالہ محمد اکرام چغتائی پنجاب میں اردو: مزید تحقیق، ص 95
19. مخزن (لاہور) جون 1919ء، ص 5
20. مخزن (لاہور)، نومبر 1918ء ص 26 تفصیلی مطالعے کیلئے دیکھئے: شیر علی سرخوش، تذکرہ اعجاز سخن (حصہ اول) لاہور 1924ء
21. حافظ محمود شیرانی (1880ء-1946ء) ٹونک میں پیدا ہوئے۔ 1904ء میں اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور انگلستان چلے گئے وہاں کوئی آٹھ سال رہے۔ انگریزی سیکھی۔ برٹش میوزیم، انڈیا آفس اور دیگر کتب خانوں میں جا کر کتب بینی میں مصرف رہے۔ معلومات کا وافر ذخیرہ ان کے سینے میں مزین ہو گیا لیکن کسی یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کئے بغیر وطن واپس لوٹ آئے پھر 1928ء میں اورینٹل کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ اسی سال آپ کی مشہور زمانہ کتاب ''پنجاب میں اردو'' شائع ہوئی۔ اختر شیرانی (مرحوم) آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔
22. فرید کوٹی، عین الحق ''پنجاب پالی زبان دی جنم بھومی'' مشمولہ چھماہی کھوج، جلد 2 شمارہ 1 شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور جولائی دسمبر 1979ء ص 57
23. بیدی، کالا سنگھ، ڈاکٹر، ''پنجابی زبان: ابتداء تے ارتقاء'' مشمولہ چھماہی کھوج، جلد 4 شمارہ I، شعبۂ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جولائی دسمبر 1981ء، ص ص 65تا68
فرید کوٹی، عین الحق، اردو زبان کی قدیم تاریخ، اورینٹ ریسرچ سینٹر، طبع سوم، لاہور 1988ء، ص ص 79-78
سنگھ، پرمندر، ڈاکٹر: کسیل، کرپال سنگھ پروفیسر: لانبہ، گوبند سنگھ ڈاکٹر، پنجابی ساہت دی اُتپتی تے وِکاش، لاہور بک شاپ، چھیواں ایڈیشن، لدھیانہ 1991ء ص 43
24. شیرانی، حافظ محمود، پنجاب میں اردو، اسلامیہ کالج، لاہور 1928ء ص 4
25. Bailey, Grahame, Studies in North Indian Languages, Lund Humphreys & Co, London 1938, P.1

26. فاروقی شمس الرحمن، اردو کا ابتدائی زمانہ، آج کی کتابیں، تیسرا ایڈیشن، کراچی 2009ء ص58 اس سلسلے میں فیلن اور پلیٹس کی تحریر کردہ لغات بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ Fallon, S.W., A New Hindustani-English Dictionary, U.P Urdu Academy, Reprint Edition1986

Platts, John, T., A Dictionary of Urdu Classical Hindi and English, O.U.P, New Delhi 1974

27. ڈاکٹر کے ایس بیدی، تین ہندوستانی زبانیں، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی سنہ ندارد، ص ص121، 167

28. ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ادب ولسانیات، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی 1970ء، ص204 پنڈت برج موہن دتہ تریہ کیفی دہلوی (کشمیری) کے مطابق اردو کا لفظ سنسکرت کا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ دراصل ارداو (Urdaoo) ہے۔ ''ار'' کے معنی دل اور داو کے معنی دو کے ہیں۔ چونکہ یہ زبان ہندو مسلم تہذیب کے ملاپ سے وجود میں آئی۔ اس لئے اس کا نام ارداو یعنی دو دلوں کو ملانے والا پڑ گیا۔ یہی ارداو بعد کو اردو بن گیا۔ آداب اردو، معین الادب، لاہور 1950ء ص 170

29. جین، بنارسی داس، پنجابی زبان تے اوہدا لٹریچر، مجلس شاہ حسین، لاہور، دوجا ایڈیشن 1967، ص108 عبدالحق مولوی، قواعد اردو، انجمن ترقی اردو (ہندی) نئی دہلی 1986ء ص 29، اردو ابجد کی بنیادی تعداد 37 ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق (1870ء1961ء) اردو کی تمام اصوات وعلامات کی تعداد 50 بتاتے ہیں۔

30. ڈاکٹر آفتاب ابڑو، براہمی خط: برصغیر کی زبانوں کا سرچشمہ، مشمولہ: پاکستان کے ریگستانی علاقوں کا ادبی جائزہ (مرتب: ڈاکٹر عنایت حسین لغاری) شعبہ سندھی وفاقی اردو یونی ورسٹی عبدالحق کیمپس، کراچی 2016، ص91

31. مسعودی، نذیر احمد، جموں و کشمیر کے پہاڑی لوگ، جموں و کشمیر پہاڑی کلچر اینڈ ویلفیئر فورم، سری نگر 1985ء، ص18

32. تفصیل دیکھئے: سنگھ، سردار گور بخش، گورمکھی لپّی دا جنم تے وکاش، پنجاب یونیورسٹی پبلی کیشنز، چنڈی گڑھ 1950ء

33. درانی، عطش ڈاکٹر، پنجاب کے دفاتر میں اردو اور پنجابی کا مسئلہ،، مشمولہ پاکستان میں اردو، چوتھی جلد پنجاب، ص ص 688تا693